مغرب میں مطالعۂ قرآن کا اسلوب
(بیسویں اور اکیسویں صدی کے تناظر میں)

عفت بتول ۞

تعارف

مغربی تحریک مطالعۂ اسلام بالعموم اور مطالعۂ قرآن بالخصوص اس تحریک استشراق سے پیوستہ سمجھی جاتی ہیں جس کی بنیاد ازمنۂ وسطیٰ میں رکھی گئی۔

تحریک استشراق ایک اہم اور ہمہ جہتی تحریک تھی جس کی شروعات سیاسی، دفاعی اور خصوصاً مذہبی اسباب کی وجہ سے ہوئی۔ ایڈورڈ سعید (Edward Said) نے متعدد بار اپنی تصنیفات میں استشراق کا لفظ استعمال کیا ہے اور اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اس تحریک کے کچھ خاص اغراض و مقاصد تھے اور یہ کہ مغربی علما مطالعۂ اسلام میں ہمیشہ تعصب کا شکار رہے۔[۱]

اپنے اس طرز فکر کی وجہ سے بہت سے مغربی علما نے انھیں اپنی تنقید کا نشانہ بنایا۔ بہ ہر حال ایک اہم نکتہ جس کی طرف معاصر علماے مغرب توجہ دلانے میں مصروف ہیں وہ یہ ہے کہ تحریک استشراق اب اپنے اختتام کو پہنچ چکی ہے اور یہ کہ مغرب میں دور حاضر کا مطالعۂ قرآن اپنے طرز فکر و انداز میں قدیم زمانہ کی تحریک استشراق سے بہت مختلف ہے۔ مزید برآں یہ کہ عصر حاضر کے علما کا مطالعۂ قرآن معروضیت پر مبنی ہے۔[۲]

۞ لیکچرر، شعبہ تفسیر، کلیہ اسلامک اسٹڈیز (اصول الدین)، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد۔
(iffat.batool@iiu.edu.pk)

زیر نظر مقالے میں مغربی مفکرین کے قرآن کریم سے متعلق کچھ ایسے افکار کا تذکرہ بھی ملے گا، جن پر بحث و تحقیق وقت کی اہم ضرورت ہے۔ اس ضمن میں مسلمان علما نے کچھ دقیق کام پیش بھی کیے ہیں۔ چوں کہ اس مقالے کا موضوع مغرب میں تاریخ مطالعہ قرآن اور اس کے مناہج کا جائزہ ہے؛ اس لیے ان افکار کا رد کرنا اس مقالے کا ہدف نہیں ہے۔ تاہم اجمالاً ہر نکتے سے متعلق مسلمان علما کا موقف بیان کیا جائے گا۔

1– Edward Said, *Orientalism* (London: Penguin Books, 1995)

2– John. O. Voll, "Changing Western Approaches to Islamic Studies" in *Observing the Observer: The State of Islamic Studies in American Universities*, eds. Mumtaz Ahmad, Zahid Bukhari and Sulayman Nayang (London: The International Institute of Islamic Thought, 2012), 28-33.

اسی طرح کچھ مفکرین مغرب کا خیال ہے کہ مغربی علمی دنیا(Academy) میں مسلمان علما کی شمولیت کی وجہ سے مغربی طرز فکر میں نمایاں تبدیلی آئی ہے۔[۳] ان مفکرین میں کارل ارنسٹ (Carl Ernst)[۴]، اینڈ ریو رپن (Andrew Rippin)[۵] اور جین دیمن میکالف[۶] (Jane Dammen McAuliffe) کے نام نمایاں ہیں۔ معروضیت کے اس دعوے کو پرکھنے کے لیے ضروری ہے کہ معاصر علما کے قرآن سے متعلق علمی کاموں کو دقت کے ساتھ دیکھا جائے اور مذکورہ فرق کو تلاش کیا جائے۔ زیر نظر مضمون میں کوشش کی گئی ہے کہ ماضی قریب اور معاصر مغربی علماے قرآنیات کی تصنیفات پر تحقیق کی جائے اور ان کے موضوعات تحقیق و مناہج پر اجمالاً روشنی ڈالی جائے۔

۲- تاریخ مطالعۂ قرآن کا مختصر جائزہ

مسلم معاشروں میں قرآن کریم ایک مرکزی حیثیت کی حامل کتاب ہے۔ اسی اہمیت کے پیش نظر یہ ابتدا ہی سے مسلمان علما کی توجہ کا مرکز رہی اور مسلم دنیا میں اس کے مختلف پہلوؤں پر مختلف جہات سے تحقیق کی گئی۔

قرآنیات کے ضمن میں جہاں مسلمان علمانے دنیا کے کتب خانوں کو اپنی ضخیم تصنیفات سے بھر ڈالا وہاں مغربی علما بھی اس میدان میں پیچھے نہیں رہے اور وقتاً فوقتاً مطالعۂ قرآن میں اپنی رغبت کا اظہار کرتے رہے۔ قرآنیات میں ان کی دل چسپی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ صرف انیسویں صدی کے درمیانی عرصہ میں ۶۰ ہزار کے لگ بھگ کتابیں ان موضوعات پر لکھی گئیں جو بالواسطہ یا بلاواسطہ قرآن سے تعلق رکھتے ہیں۔[۷]

3– Carl W. Ernst, "Reading Strategies for Introducing the Qur'ān as Litreture in an American Public University", *Islamic Studies* 45: 3 (2006): 333-334.

۴– کارل ارنسٹ چیپل ہل(Chapel Hill) میں نارتھ کیرولینا یونی ورسٹی میں بہ طور پروفیسر اپنے فرائض منصبی ادا کر رہے ہیں۔ وہ Centre for the Study of Middle East and Muslim Civilizations کے شریک ڈائریکٹر بھی ہیں۔ اسلام اور قرآن کے موضوع پر مختلف مقالات لکھ چکے ہیں۔

۵– اینڈریو رپن کینیڈین سکالر تھے۔ وہ یونی ورسٹی آف وکٹوریا، کینیڈا میں مختلف حیثیتوں میں اپنے فرائض ادا کرتے رہے۔ مغرب میں ان کا شمار ماہرین قرآنیات میں ہوتا ہے۔ قرآنیات سے متعلق کئی کتابوں کو ایڈٹ کیا۔

۶– میکالف اسلامک اسٹڈیز میں اس وقت ایک مشہور محققہ کے طور پر پہچانی جاتی ہیں۔ وہ مختلف جامعات میں کلیہ اسلامیات میں بطور ڈین اپنے فرائض انجام دے چکی ہیں۔ میکالف کئی کتابوں کو ایڈٹ کر چکی ہیں۔ قرآنیات سے متعلق متعدد مضامین کی لکھاری ہیں۔ اس صدی میں قرآن پر ہونے والی نمایاں مغربی تحقیق دائرۂ معارف قرآنی *(Encyclopedia of the Qur'ān)* کی چیف ایڈیٹر ہیں۔

7– Said, *Orientalism*, 64.

مغرب میں مطالعۂ قرآن کی بنیادیں بارھویں صدی میں رکھی گئیں، جب پہلی بار قرآن پاک کا لاطینی زبان میں ترجمہ صرف اس لیے کیا گیا کہ زمانۂ قدیم میں پھیلی ہوئی فرسودہ روایات کی بجائے علمی بنیادوں پر قرآن کا تعارف و جائزہ پیش کیا جاسکے اور اس کی تعلیمات کے رد کو یقینی بنایا جاسکے۔ رابرٹ آف کیٹن[۸] (Robert of Ketton) کے پہلے لاطینی ترجمۂ قرآن کے موضوع پر نظر ڈالنا اس بات کو تقویت دیتا ہے کہ مطالعۂ قرآن کا ہدف صرف اور صرف مناظرانہ تھا۔ ترجمۂ قرآن کا عنوان تھا:

Lex Mahumet Pseudo Prophete (Law of Muhammad , the False Prophet) [9]

اس ترجمہ کے اوراق پلٹنے پر ایک قاری متعدد ایسے الفاظ دیکھتا ہے جو طنز و تشنیع پر مبنی ہیں مثلاً Mendax (جھوٹا)، Stulitissimus (انتہائی بے وقوف)[۱۰] وغیرہ۔ آرتھر آبری (Arthur Arberry)[۱۱] اس ترجمہ کے بارے میں یوں اظہار خیال کرتے ہیں:

Such was the inglorious beginning of English renderings of the holy book of Islam by hostile intention.[12]

(یہ تھی قرآن کے انگریزی تراجم کی شرمناک ابتدا جس کی بنیادیں نفرت پر رکھی گئیں۔)

بارھویں صدی کے نصف سے لے کر سترھویں صدی تک یہ ترجمہ یورپ کے بہ کثرت پڑھے جانے والے تراجم میں سے ایک تھا۔ بعد میں آنے والے اطالوی، جرمن اور ڈچ تراجم اس کی بنیاد پر ہوئے، اسی لیے مختلف تراجم کے عنوانات اور متون میں اسی کے منفی اثرات بہ آسانی نظر آتے ہیں۔[۱۳]

۸– رابرٹ آف کیٹن (۱۱۱۰ء– ۱۱۶۰ء) برطانوی مترجم اور مبلغ تھا جس نے متعدد عربی تصانیف کو لاطینی زبان میں منتقل کیا۔ رابرٹ کی زندگی کے کئی پہلو غیر معلوم ہیں مگر اس کا سب سے نمایاں کام قرآن کا لاطینی زبان میں ترجمہ ہے۔

9– Thomas E. Burman, *Reading the Qur'ān in Latin Christendom, 1140-1560* (Philadelphia: Pennsylvania University Press, 2007), 15.

10– Ibid, 60.

۱۱– آبری (۱۹۰۵ء– ۱۹۶۹ء) ایک مشہور برطانوی مستشرق تھے۔ وہ ماہر عربیات و اسلامیات تھے۔ ان کے علمی کاموں میں سب سے مقبول قرآن پاک کا انگریزی ترجمہ *The Koran Interpreted* ہے۔

12– Athur J. Arberry, *The Koran Interpreted* (New York: George Allen and Unwin, 1995), 7.

۱۳– اس کی ایک واضح مثال رابرٹ کے ترجمہ کے کچھ عرصہ بعد منظر عام پر آنے والا ترجمۂ قرآن ہے جو مارک آف ٹولیڈو (Mark of Toledo) نے کیا۔ مارک کا ہدف بھی وہی تھا جو رابرٹ کا تھا یعنی تعلیمات قرآنی کا رد پیش کرنا۔ مارک کے ترجمے میں بھی نامناسب اور سخت الفاظ کا استعمال بہ آسانی دیکھا جاسکتا ہے۔

اگرچہ ترجمۂ قرآن کی یہ کوشش خالص مناظرانہ اور جارحانہ تھی لیکن اس کا ایک مثبت اثر یہ بھی ہوا کہ قرآن کو علمی انداز میں دیکھنے کی بنیاد پڑی۔ اس کے بعد مغرب میں مطالعۂ قرآن کی تحریک کو فروغ ملتا گیا۔ بہت سے مغربی علما نے اس مقصد میں اپنی زندگی کا بڑا حصہ صرف کیا۔ چند قابل ذکر ناموں میں جان آف سگوویا[۱۴] (John of Segovia) ، نکولس آف کوسا[۱۵] (Nicholas of Cusa)، اور تھیوڈور بلینڈر[۱۶] (Theodor Bibliander) شامل ہیں۔ ایک اور اہم شخصیت جو اس تحریک میں پیش پیش رہی وہ مارٹن لوتھر (Martin Luther) کی ہے جس نے انتہائی زور دار الفاظ میں مطالعۂ قرآن کی تحریک کا ساتھ دیا۔ وہ اپنی ایک یادداشت میں لکھتا ہے:

> It has struck me that one is able to do nothing more grievous to Mohammad or the Turks, nor more to bring them to harm... than to bring their Koran to the Christians in the light of day, that they may see theirin how entirely... desperate a book it is.[17]

(کوئی چیز محمد یا ترکوں کو اس بات سے زیادہ نقصان نہیں پہنچا سکتی کہ وہ قرآن کو دن کی روشنی کی طرح دکھا دیا جائے تاکہ عیسائی جان لیں کہ ترکوں کی یہ کتاب کس قدر مایوس کن ہے۔)

مزید لکھتا ہے:

> If the holy fathers don't get the heretical book to read, how

---

۱۴۔ جان آف سگوویا (م ۱۴۵۸ء) ہسپانوی مسیحی عالم اور ماہر الٰہیات تھا۔ اس کے مشہور علمی کاموں میں سے ایک اس کا ترجمۂ قرآن ہے۔ وہ اس اسلوب کا پر زور حامی تھا کہ مسلمانوں کو عیسائیت کی طرف راغب کرنے کے لیے تحقیقی و علمی کام کی کیے جائیں۔ اس مقصد کے لیے اس نے قرآن پاک کے مطالعے میں کئی سال صرف کیے۔

۱۵۔ نکولس (۱۴۰۱ء– ۱۴۶۴ء) جان کا ہم عصر تھا۔ وہ ان اہم شخصیات میں سے ہے جن کی تعلیمات کا اثر صدیوں مسیحی دنیا پر رہا۔ اس نے اپنی کتاب *Cribratio Alchorani* میں قرآن پاک کا مفصل جائزہ پیش کیا اور اس ضمن میں مسیحیت کی برتری ثابت کرنے کے لیے متعدد دلائل دیے۔

۱۶۔ بلینڈر (۱۵۰۵ء– ۱۵۶۴ء) سولھویں صدی کا سوئس مستشرق اور پروٹسٹنٹ مصلح تھا۔ اس نے لاطینی زبان میں قرآن پاک کے پہلے ترجمے کو شائع کیا۔ وہ اس طرز فکر کا زبردست حامی تھا کہ عیسیائیت کی ترویج اور قرآنی تعلیمات کے رد کے لیے قرآن کے ترجمے کو شائع کیا جائے۔ مذہبی علما سے ایک طویل مباحثے کے بعد بالآخر اس نے ترجمۂ قرآن کو شائع کرنے کی اجازت حاصل کر لی۔

17– Harry Clark, "The Publication of the Koran in Latin: A Reformation Dilemma," *The Sixteenth Century Journal* 15: 1 (1984): 10-11.

would they take steps against its secret poison.[18]

(اگر مقدس آبا کو اس کتاب کا مطالعہ کرنے کا موقع نہیں ملے گا تو کس طرح سے اس کے چھپے ہوئے زہر کا تریاق ہو سکے گا۔)

انیسویں صدی سے پہلے کے کاموں اور تراجم قرآن کے حوالے سے چند قابل ذکر باتیں درج ذیل ہیں:

۱۔ تراجم قرآن میں مناظرانہ الفاظ کا چناؤ۔

۲۔ تراجم قرآن اور دوسری کتابوں کے متون میں قرآن اور نبی کریم ﷺ کے لیے نامناسب الفاظ کا استعمال۔

۳۔ مختلف تصنیفات میں جابجا مسیحی علما کا متضاد اسلوب کتابت، یعنی کہیں تو وہ قرآن کو فرسودہ و متضاد عبارات کا مجموعہ قرار دینے سے بھی گریز نہیں کرتے اور کہیں اسلامی تہذیب کے شاندار اثرات کا برملا اعتراف کرتے ہیں۔

مغربی علمائے قرآنیات میں جس شخصیت نے سب سے پہلے اور بہت واضح االفاظ میں اپنے پیروکاروں کو اسلام کے خلاف زہر آلود الفاظ استعمال کرنے سے منع کیا وہ جارج سیل (George Sale) ہے۔[۱۹] سیل اپنے ترجمۂ قرآن کے پیش لفظ میں قارئین کو یہ نصیحت کرتا ہے کہ مسلمانوں کے خلاف نامناسب الفاظ کا چناؤ حکمت کے خلاف ہے، اس لیے اب یہ عادت ترک کر دینی چاہیے۔[۲۰]

سیل کی نصیحت پر عمل کرتے ہوئے مغربی علمانے کافی حد تک ایسے الفاظ کے استعمال کو ترک کر دیا جو طنز و تشنیع پر مبنی تھے۔

اگرچہ یہ نکتہ قابل تسلیم ہے لیکن اس کے باوجود یہ بات پورے وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ عصر حاضر میں بہت سی ایسی علمی تصنیفات منظر عام پر آئی ہیں جن کے مصنّفین پر صدیوں پرانے خیالات کا گہرا اثر ہے اور جو اپنے آپ کو تعصب کی ان زنجیروں سے پوری طرح آزاد نہیں کر پائے جن میں مغربی ذہن جکڑا ہوا تھا۔

18– Ibid, 11.

۱۹– جارج سیل (۱۶۹۷ء– ۱۷۳۶ء) برطانوی مستشرق تھا۔ سیل کی مقبول ترین تصانیف میں قرآن پاک کا انگریزی زبان میں ترجمہ شامل ہے جو ۱۷۳۴ء میں براہ راست عربی زبان سے انگریزی زبان میں کیا گیا۔ ترجمہ سے ملحق شدہ ایک مقدمہ ہے جو سیل کی سوچ کو واضح کرتا ہے اور قاری پر ترجمہ پڑھنے سے پہلی ہی گہرا اثر چھوڑتا ہے۔

20– George Sale, *The Koran* (London: C. Ackers for J. Wilcox,1734), iii-ix.

۳- مغرب میں مطالعۂ قرآن کے بنیادی موضوعات

مطالعۂ قرآن کے ضمن میں مغربی علما نے ہمیشہ کچھ خاص اور گنے چنے موضوعات کو مرکز بحث بنایا ہے جن کا تذکرہ سترھویں صدی سے لے کر آج تک کے علمی کاموں میں پایا جاتا ہے۔ اسی طرح اگر قدیم و معاصر تراجم قرآن کے مقدمات یا پیش لفظ کا مطالعہ کیا جائے تو یہ موضوعات قدر مشترک کے طور پر نظر آتے ہیں۔ یہ بات یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ ان تحریروں میں ہمیں طرز اسلوب کا فرق تو نظر آتا ہے لیکن طرز فکر میں شاید ہی کوئی فرق مل سکے۔ زیر نظر حصے میں انھی موضوعات کا مطالعہ کیا جائے گا اور ان میں جو مناہج استعمال کیے گئے ان پر بھی اجمالاً روشنی ڈالی جائے گی۔

i- مصدر و مآخذ قرآن[۲۱]

مغربی علماے قرآنیات میں یہ بات تقریباً مجمع علیہ رہی ہے کہ محمد ﷺ خود مصنف قرآن ہیں۔

۲۱- قرآن پاک کا مصدر وحی الٰہی ہے۔ وحی الٰہی نہ ہونے کا شبہ کوئی نیا نہیں، اس طرح کے شبہات مشرکین عرب بھی پیش کرتے رہے جن کو خود قرآن پاک نے ذکر کیا۔ البتہ ان کا کوئی جواب نہیں دیا گیا کیوں کہ یہ اعتراضات اس قابل ہی نہ تھے کہ ان کا کوئی جواب دیا جاتا۔ ہاں رہتی دنیا تک ایک چیلنج کر دیا گیا کہ اگر کسی انسان کی تصنیف ہے تو تم بھی اس جیسی ایک کتاب لے آؤ۔

مزید برآں، رہا یہ دعویٰ کہ قرآن کا مصدر انجیل و تورات ہیں تو غالباً مفکرین مغرب دو وجوہات کی بنا پر ایسا کرتے رہے۔ یا تو یہ غلط فہمی تینوں کتابوں میں موجود بنیادی تعلیمات میں تشابہ کی وجہ سے ہوئی، تو یہ کوئی اچھنبے کی بات نہیں کہ تینوں کتابوں کا مصدر ایک ہی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ انجیل و تورات میں تحریف ہو چکی ہے جس کا اعتراف خود علماے غرب بھی برملا کرتے ہیں۔ دوسری وجہ علماے غرب کا احساس برتری ہے جس کی وجہ سے وہ ہر چیز کی نسبت اپنی طرف ہی کرتے ہیں۔ مغربی طاقتوں کی اس سوچ کو ایڈروڈ سعید نے بہت خصوصیت کے ساتھ نمایاں کیا ہے۔ ایک مسلمان مفکر مصطفیٰ اعظمی نے بہت خوب کہا ہے کہ مستشرقین پر عزم ہوتے ہیں کہ وہ اسلام کی ہر کامیابی کو دوسری تہذیبوں کے ساتھ منسلک کریں، حتیٰ کہ بات صرف وقف آیت پر لگائے جانے والے دائرہ کی ہی کیوں نہ ہو۔ (دیکھیے: Muhammad Mustafa Al-A'zmi, *The History of the Qur'ānic Text: From Revelation to Compilation* (Leicester: UK Islamic Academy, 2003)۔ اس ضمن میں علماے غرب دور کی کوڑی لانے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ اسی طرح ان کی جانب سے وقتاً فوقتاً ایسی باتیں سننے کو ملتی ہیں جن کی کوئی علمی بنیاد نہیں ہوتی اور جن کو خود علماے غرب بھی مسترد کر دیتے ہیں۔

مختلف اسالیب کا استعمال و تطبیق کرتے ہوئے بالآخر تمام مغربی علما یہی نتیجہ نکالتے ہیں کہ قرآن دراصل نبی کریم ﷺ کی تصنیف ہے۔اس طرح یہ بات واضح نظر آتی ہے کہ مصدر قرآن کے متعلق جو دعویٰ پیٹر مقدس(Peter the Venerable)[۲۲] نے کیا اس کی گونج زمانۂ حال تک باقی ہے۔ہاں اس بات کا تعین کرتے ہوئے ان کے اندر ضرور اختلاف پایا جاتا ہے کہ تصنیف قرآن کے دوران محمد ﷺ کے مصادر کیا تھے۔عیسائی علما کے نزدیک تصنیف قرآن میں مسیحی کتب و روایات کا مرکزی کردار ہے[۲۳] جب کہ یہودی علما اس بات پر مصر نظر آتے ہیں کہ محمد ﷺ نے کتابت قرآن کے دوران یہودی کتب و مصادر سے مدد لی۔[۲۴]

۱۹۷۲ء میں ایک مغربی عالم گونٹر لولنگ (Gunter Luling) نے یہ نظریہ پیش کیا کہ متن قرآن میں چار سطحات(Levels)ہیں جن میں دو سطحیں ان مسیحی دعاؤں اور شاعری پر مشتمل ہیں جو اس وقت کے مسیحی شعرا نے پیش کیں اور محمد ﷺ نے ان سے اخذ کیں۔اس کا خیال تھا کہ قرآن کے صحیح مفہوم کو بہتر طریقے سے سمجھنے کے لیے ان سطحات کو کھرچنے کی ضرورت ہے۔[۲۵] اس دعوے میں اتنا سقم تھا کہ نہ تو یہ عالم خود اپنے دعوے کی تائید میں کچھ ثبوت پیش کر سکا اور نہ ہی مغربی علما نے اس کو قبول کیا۔

ایک اور نظریہ جو الفاظ کے رد و بدل کے ساتھ اکیسویں صدی میں منظر عام پر آیا وہ یہ ہے کہ جزیرۂ عرب کا سماجی، تہذیبی اور بالخصوص مذہبی ماحول قرآن پاک کی تصنیف پر اثر انداز ہوا۔[۲۶] موجودہ دور میں یکے بعد دیگرے منظر عام پر آنے والی لاتعداد تصنیفات میں مندرجہ بالا ملتے جلتے نظریات بہ کثرت ملتے ہیں جو طرز فکر کی تبدیلی کے دعوے کے سقم کو ظاہر کرتے ہیں۔

۲۲– پیٹر (۱۰۹۲ء– ۱۱۵۶ء) کا تعلق فرانس سے تھا۔اس نے عیسائیوں کی بہتر طریقے پر اسلام سے واقفیت کی تحریک چلائی۔ قرآن پاک کا پہلا لاطینی ترجمہ اسی کے حکم پر ہی ہوا۔

23– Richard Bell, *The Origin of Islam in Its Christian Environment* (London: Frank Cass & Co., 1968).

24– Theodore Noldeke, *The History of the Qur'ān* (Leiden: Brill, 2013).

25– Fred M. Donner, "The Qur'ān in Recent Scholarship: Challenges and Desiderate," in *The Qur'ān in Its Historical Context*, ed. Gabriel Said Reynolds (New York: Routledge, 2008), 29-50.

26– M. A. Draz, *Introduction to the Qur'ān* (London: I. B. Tauris, 2011), 99.

ii– تاریخ وترتیب قرآن[۲۷]

ترتیب قرآن کا موضوع اپنی جگہ نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ بہت سے قدیم ومعاصر علمائے غرب نے اس موضوع کی تحقیق میں کاوشیں صرف کیں اور اپنے تئیں ترتیب قرآن کے "مسئلے" کو سلجھانے کی بھی کوشش کی۔ ان علما میں سے کچھ نے قرآن کی ترتیب نو پر زور دیا اور کچھ نے آگے بڑھ کر ترتیب نو کا یہ کام سرانجام دے دیا۔

یہ علما اس نظریے کے حامل ہیں کہ موجودہ قرآن مختلف آیات کا ایسا مجموعہ ہے جس میں کوئی نظم و ترتیب نہیں پائی جاتی۔[۲۸] اس نظریے کو بنیاد بناتے ہوئے انھوں نے قرآنی سورتوں اور آیات کی از سر نو ترتیب کی کوششیں کی۔[۲۹]

اس موضوع سے متعلق اگر عصر حاضر کے علمی کاموں کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ مغربی علمائے قرآنیات میں اس ضمن میں بھی کافی حد تک اتحاد ہی پایا جاتا ہے کہ قرآن کے اندر ترتیب کا فقدان ہے جس کے مختلف اسباب ہیں۔ ایک معاصر ماہر قرآنیات لکھتا ہے: "عہد عثمانی میں ایک مصحف تیار کرنے کی جلدی کا نتیجہ یہ نکلا کہ قرآنی اجزا تو جمع ہو گئے لیکن ان میں کوئی ترتیب نہ لائی جا سکی کیوں کہ اس وقت

۲۷– غالباً اسلوب سے ناواقفیت کی بنا پر مغربی علما اس سوچ میں پڑ گئے کہ قرآن میں ترتیب کی کمی ہے۔ یہاں تک کہ ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں میں اچھی شہرت رکھنے والے مغربی مفکر تھامس کارلائل (Thomas Carlyle) نے بھی اپنی کتاب *On Heores, Hero-Worship, and the Heroic in History* میں قرآن پاک کو غلطیوں کا ایک مجموعہ قرار دیا۔ قرآن پاک کی ترتیب کو سمجھنا بہت اہم ہے لیکن مفکرین غرب اس ضمن میں قرآن کا موازنہ دوسری کتابوں سے کرتے رہے جو عموماً مختلف ابواب ومباحث میں تقسیم ہوتی ہیں اور اسی تقسیم کے تحت کلام میں ترتیب پائی جاتی ہے۔ اس سوچ کے تحت وہ قرآن کو دیکھتے ہیں اور پھر اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ قرآن پاک میں ترتیب کا شدید فقدان ہے۔ اس ضمن میں قارئین کے لیے ڈاکٹر محمود احمد غازی کی کتاب **محاضرات قرآنی** مفید رہے گی جس میں انھوں نے تفصیل کے ساتھ ترتیب قرآن کے نکتے پر بات کی ہے۔

۲۸– جن لوگوں نے ترتیب آیات کے مسئلے پر تحقیق کرنے کی کوشش کی، ان میں نمایاں نام ولیم میور (William Muir)، گستاو ویل (Gustav Weil) اور رچرڈ بیل (Richard Bell) کے ہیں۔ رچرڈ بیل نے تو اپنے ترجمۂ قرآن میں آیات کو از سر نو ترتیب دینے کی کوشش کی۔

29– Richard Bell, *The Qur'ān: Translated, With a Critical Rerrangement of the Surahs* (Edinburgh: T&T Clark, 1937), vi.

یہی بات پیش نظر تھی کہ قرآن کو جمع کر لیا جائے اور ان اجزا میں ترتیب وربط کے کام کو بعد میں آنے والوں پر چھوڑ دیا جائے۔[۳۰]

iii- جمع قرآن[۳۱]

جمع و تدوین قرآن کا موضوع مغربی علما کے نزدیک ہمیشہ اہمیت کا حامل رہا ہے۔ تراجم قرآن سے لے کر علوم قرآن کے موضوع پر لکھی جانے والی کتابوں میں سے کوئی کتاب بھی اس موضوع کے ذکر سے خالی نہیں ملتی۔ قدیم تراجم قرآن کے دیباچوں میں بھی اس نکتہ پر سیر حاصل بحث ملتی ہے۔ اس کا ایک سبب یہ ہے کہ قاری کا ذہن ترجمۂ قرآن پڑھنے سے قبل ہی اس بات کو قبول کرنے پر آمادہ ہو جائے کہ تاریخ و جمع قرآن کا موضوع کسی شک وشبہ سے خالی نہیں۔

اس ضمن میں علوم قرآن سے منسلک مغربی عالم تھیوڈر نولڈ کے[۳۲] (Theodor Noldeke) اور رچرڈ بیل[۳۳] (Richard Bell) کے نام قابل ذکر ہیں۔ اس موضوع پر عصر حاضر میں بھی کافی مواد ملتا ہے البتہ نتائج گزشتہ سے پیوستہ ہی نظر آتے ہیں۔

مثال کے طور پر اینڈریو رپن لکھتے ہیں کہ جمع قرآن سے متعلق مسلمانوں کی روایتی آرا بالکل غلط ہیں۔[۳۴] ایک مقالہ نگار لکھتا ہے کہ مغربی علما کی اکثریت اس بات پر متفق ہے کہ پیغمبر اسلام کی وفات کے

30– Christopher Buck, "Discovering", in *The Blackwell Companion to the Quran*, ed. Andrew Rippin (Oxford: Blackwell, 2006), 24.

۳۱– جمع قرآن کے موضوع کو سمجھنا ایک مسلمان کے لیے بھی بہت اہم ہے اور اس سلسلے میں جمع قرآن کے تینوں ادوار اور ان سے متعلق روایات کا مطالعہ مفید ہو گا۔ اسی طرح مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارا ایمان ہے کہ قرآن کی حفاظت کی ذمہ داری چوں کہ خود اللہ تعالیٰ نے لی ہے، اس لیے قرآن کا ہر لفظ ہم تک اسی حالت میں پہنچا ہے جیسا کہ یہ رسول کریم ﷺ پر نازل ہوا۔ اس سلسلے میں بہ حیثیت طالب علم ہمیں ان ضعیف روایات کا علم بھی ہونا چاہیے جن میں قرآن کے کسی حصے کے بھلا دیے جانے یا بکری کے کھا جانے کا ذکر ہے اور جن پر مغربی علما نے اپنے استدلال کی بنیاد رکھی ہے۔

۳۲– نولڈ کے (۱۸۳۶ء– ۱۹۳۰ء) جرمن مستشرق سکالر تھا۔ نولڈ کے کے افکار کا مغربی علما پر بہت گہرا اثر ہے۔ اس کی مقبول ترین تصنیف *The History of the Qur'ān* ہے جس پر اس نے ایوارڈ حاصل کیا۔ نولڈ کے کی یہ کتاب قرآنیات پر مغرب میں سند کی حیثیت رکھتی ہے۔

۳۳– رچرڈ بیل (۱۸۷۶ء– ۱۹۵۲ء) ایک برطانوی عربی دان تھا۔ اس کی اہم تصنیفات میں *Introduction to the Qur'ān* اور ترجمۂ قرآن *The Qur'ān* شامل ہیں۔

34– Andrew Rippin, *The Qur'ān in its Interpretative Tradition* (Aldershot: Ashgate,

وقت قرآن لکھا ہوا موجود نہ تھا۔ اس موضوع پر قلت دلائل کے باعث رسول اللہ ﷺ کی وفات کے وقت قرآن کی حالت کے بارے میں کوئی بات یقین کے ساتھ نہیں کہی جاسکتی۔[۳۵] اس لیے متعدد مغربی معاصر علماے قرآنیات کا یہی خیال ہے کہ قرآن کی ایک ایسی تاریخ لکھی جانی باقی ہے جو سائنسی تحقیق اور معروضیت پر مبنی ہو اور جس میں کوئی اختلاف نہ رہے۔[۳۶]

iv- قراءات قرآن

یہ بات مسلمانوں میں اعتقاد کی حد تک پختہ ہے کہ قراءات قرآنی وحی کا حصہ ہیں اور یہ کہ ان کا مصدر نبی کریم ﷺ کی ذات مبارکہ ہے۔ اس کے برعکس مغربی علماے قرآنیات کا خیال ہے کہ قراءات تاریخ قرآن کا حصّہ ہیں۔ اس نکتہ کی وضاحت اس طرح کی جاسکتی ہے کہ مغربی علما کے خیال میں قراءات چوتھی صدی ہجری کے بعد وجود میں آئیں۔ اسی طرح ایک خیال یہ بھی پیش کیا گیا کہ قراءات تفسیری کوششوں کے نتیجے میں ظہور میں آئیں یعنی علما و مفسرین نے اپنی رائے کو مدلل ثابت کرنے کے لیے قراءات اختراع کیں۔[۳۷]

مغربی علما میں سے جن خاص علما نے موضوع قراءات کو اپنی تحقیق کا مرکز بنایا ان میں گولڈ زیہر[۳۸] (Goldzeiher)، الفونسے منگانا (Alphonse Mingana) اور آرتھر جیفری (Arthur Jaffery)[۳۹] ہیں۔ ان میں سے نمایاں کام آرتھر جیفری کا ہے، جیفری نے مختلف قراءات کو جمع کرنے میں ایک عمر لگا دی۔

معاصر مغربی علما میں سے جان برٹن (John Burton)، جان وانسبرو (John Wansbrough) اور

2001), xv.

۳۵- اس خیال کے حامل بہت سے علما ہیں۔ مثال کے طور پر دیکھیے:

Gerald R. Hawting, "The Rise of Islam", in *Companion to the History of Middle East*, ed. Youssef M. Choueiri (Oxford: Blackwell, 2005), 10.

36- Wiebke Walther "Qur'ān" in *The Brill Dictionary of Religion*, ed. Kockuvon Stuckard (Leiden: Brill, 2006).

37- "Introduction", in *The Qur'ān in Its Historical Context*, ed. Gabriel Said Reynolds (New York: Routledge, 2008), 7.

۳۸- گولڈ زیہر (۱۸۵۰ء- ۱۹۲۱ء) کا شمار مغرب میں اسلامیات کے ماہرین میں ہوتا ہے۔ وہ ان علما میں سے ہے جن کو جدید اسلامیات (Islamic Studies) کا بانی تصور کیا جاتا ہے۔ حدیث اور فقہ پر اس کی تصنیفات نمایاں ہیں۔

۳۹- آرتھر جیفری (۱۸۹۲ء- ۱۹۵۹ء) پروٹسٹنٹ استریلوی سکالر تھا۔ اس کی زندگی کے اہم سال قرآن پاک کی مختلف قراءات، جمع کرنے پر صرف ہوئے۔ قراءات سے متعلق اس کی تصنیف *Materials for the History of the Text of the Qur'ān* مصدر سمجھی جاتی ہے۔

اس کے شاگرد اینڈریو رپن اس خیال کے حامی ہیں کہ قراءات کو فقہا نے اس وجہ سے اختراع کیا کہ ہر فقہیہ ایک قراءت کے ذریعے اپنے فتاویٰ کو مدلل بنا سکے۔[۴۰]

v- غیر عربی الفاظ اور قرآن[۴۱]

مغربی علماے قرآنیات کے ایک گروہ نے قرآن پاک میں غیر عربی الفاظ کی تحقیق کی ہے۔ ان کے نزدیک غیر عربی الفاظ کی موجودگی اس بات کا ثبوت ہے کہ قرآن محمد ﷺ کی تصنیف ہے۔ اس کی وضاحت ایسے کی جاتی ہے کہ جب کبھی پیغمبر اسلام کسی زبان سے آشنا ہوئے، انھوں نے اس کے الفاظ کو قرآن میں استعمال کیا۔

آرتھر جیفری نے تقریباً ۳۲۲ ایسے الفاظ کی نشان دہی کی ہے جن کی اصل عبرانی، آرامی یا سریانی زبانیں ہیں۔ اس نقطۂ نظر کا قرآن کی ترجمانی سے گہرا تعلق ہے کیوں کہ ان علما کے خیال میں اگر کوئی لفظ عبرانی الاصل ہے تو اس کا ترجمہ کرتے وقت اس کی اصل کو ملحوظ رکھا جائے گا۔[۴۲] کرسٹوف لیگزنبرگ (Christoph Luxenberg) نے قرآن پاک کے لفظ حور کا ترجمہ اس وجہ سے سفید انگوروں سے کیا کہ اس کے خیال میں یہ لفظ آرامی زبان سے لیا گیا ہے اور آرامی میں حور کا مطلب سفید انگور ہے۔[۴۳] لیگزنبرگ کا یہ نظریہ میڈیا میں بہت مشہور بھی ہوا۔ کچھ معاصر علما کا یہ خیال ہے کہ قرآن پاک کے کچھ الفاظ کی اصل چینی زبان ہے۔[۴۴]

40– John Burton, *The Collection of the Qur'ān* (New York: Cambridge University Press, 1977), 119-212.

۴۱– اگرچہ قرآن پاک کی زبان عربی ہے اور متعدد آیات اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ یہ عربی قرآن ہے، لیکن مسلم علما کا موقف ہے کہ قرآن میں کچھ الفاظ غیر عربی الاصل ہیں جن کی تعداد تقریباً ۱۰۰ کے لگ بھگ ہے۔ ۷۷۹۳۴ الفاظ میں سے صرف ۱۰۰/ الفاظ کا غیر عربی ہونا ان آیات سے متصادم نہیں ہے جس میں قرآن کو عربی کہا گیا ہے کیوں کہ ایک زبان میں دوسری زبان کے الفاظ کا داخل ہو جانا فطری عمل ہے۔ لیکن علماے غرب کا صرف ۱۰۰/ الفاظ کی بنیاد پر یہ دعویٰ کرنا کہ یہ الفاظ اس بات پر گواہ ہیں کہ محمد ﷺ نے انھیں سن کر قرآن میں میں شامل کر لیا، قابل تحقیق ہے۔

42– Michael Carter, "Foreign Vocabulary" in *The Blackwell Companion to the Qur'ān*, ed. Andrew Rippin (Oxford: Blackwell, 2006), 212.

43– Christoph Luxenberg, *The Syro-Aramaic Readings of the Qur'ān* (Berlin: Verlag Hans Schiler, 2007), 247-253.

44– Ibid, 121.

vi–نقد متن قرآن[۴۵]

سترھویں صدی میں جب نقد متن کے طریقے کو متعارف کروایا گیا تو علماے مغرب کی طرف سے شدید رد عمل دیکھنے میں آیا کیوں کہ ان کا خیال تھا کہ یہ طریقہ کتب مقدسہ کی قطعی حیثیت کو شک میں ڈالتا ہے۔ لیکن انھیں باور کروایا گیا کہ یہ ایک صحت مندانہ عمل ہے جس کے ذریعے تورات اور انجیل کے متن کی اصلاح کی جاسکتی ہے۔ اس طرح اس طریقہ سے متعلق موجود حساسیت وقت گزرنے کے ساتھ کم ہوتی گئی۔

مغرب میں معاصر علماے قرآنیات مصر ہیں کہ چوں کہ متن قرآن بھی ایک تاریخی متن ہے اس لیے اس طریقے کی تطبیق قرآن پر بھی کی جانی چاہیے۔ ان کا خیال ہے کہ مسلمانوں کا یہ دعویٰ کہ متن قرآن تحریف و اغلاط سے پاک ہے بالکل ہی غلط ہے۔[۴۶]

مغربی علماے قرآنیات میں جس شخص نے سب سے زیادہ اس جہت پر کام کیا وہ جیمز بیلامی(James Bellamy) ہے۔ ۲۰۰۲ء تک شائع ہونے والے مقالوں میں بیلامی نے تقریباً ۲۹/ ایسے الفاظ کی نشاندہی کی ہے جو اس کے خیال میں اصلاح طلب ہیں اور ان کے متبادل کے طور پر وہ نئے الفاظ تجویز کرتا ہے۔[۴۷]

۴۵– سترھویں صدی میں مطالعۂ کتب مقدسہ کے لیے مختلف مناہج کے ارتقا کے نتیجے میں علما نے انکشاف کیا کہ ان کتب مقدسہ میں ان گنت اغلاط ہیں۔ اس مشکل کے حل کے لیے طریقۂ نقد متن متعارف کروایا گیا تاکہ انجیل کے مختلف نسخوں یا نقول میں مقارنہ کے ذریعے متن اصلی(Original Text) کو پایا جاسکے۔

قرآن کا معاملہ اس سے قطعی مختلف ہے۔ اگر دیکھا جائے تو تکنیکی طور پر اس طریقہ کی تطبیق قرآن پر کرنا غلط ہے کیوں کہ اس کی ضرورت اسی وقت ہوتی ہے جب اصلی متن موجود نہ ہو اور نقول کا موازنہ کرکے اصلی متن تک رسائی کی کوشش کی جائے۔ یہ طریقہ بائبل کے مطالعہ میں تو استعمال ہو سکتا ہے کیوں یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ بائبل کا اصلی متن اس وقت موجود نہیں، اس کے جتنے نسخے موجود ہیں وہ سب کے سب بعد میں لکھے گئے۔ قرآن بائبل سے یوں مختلف ہے کہ اس کی تدوین نہ تو مختلف صدیوں اور زمانوں تک پھیلی ہوئی ہے اور نہ اس کی تحریر و تکمیل میں متعدد زبانیں بولنے والے، مختلف مصادر و ممالک کے مصنّفین کا ہاتھ ہے بلکہ اس کا متن دو دہائیوں کے محدود عرصہ میں ایک ہی شخص پر نازل ہوا جس کا جغرافیائی و لغوی پس منظر نزول وحی و کتابت قرآن کے دوران یکساں رہا۔ دیکھیے:

Shabbir Akhtar, *The Quran and the Secular Mind* (London: Routledge, 2008), 123.

46– Devin J. Stewart, "Notes on Medieval and Modern Emendations of the Qur'ān," in *The Qur'ān in Its Historical Content*, ed. Gabriel Said Reynolds (New York: Routledge, 2008), 228-9.

47– See for details: James A. Bellamy, "Textual Criticism of the Koran," *Journal of the American Oriental Society* 121:1(2001) :1-6.

بیلامی کے نقد متن کے اس طریقے کو خود مغربی علما نے ہی مسترد کر دیا۔ ان کے بقول یہ طریقہ ظن و تخیلات پر مبنی ہے۔[۴۸]

vii– مطالعۂ متن قرآن

پچھلی صدی میں کچھ مسلمان علما نے اس امر کی طرف توجہ دلائی کہ مغربی مطالعۂ قرآن چند گنے چنے موضوعات کے گرد گھومتا ہے اور کم و بیش قدیم و معاصر کتابوں میں یہی موضوعات پائے جاتے ہیں۔ ان علما کا کہنا ہے کہ اب تک کی قرآنیات میں قرآن کے براہ راست متن و مضامین کو سمجھنے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی۔[۴۹] غالباً اسی شکایت کے ازالہ کے لیے مغربی علما نے اپنے دائرۂ تحقیق کو کچھ وسیع کیا ہے۔

معاصر مغربی مطالعۂ قرآن میں ایک نمایاں تبدیلی یہ آئی ہے کہ علماے مغرب نے اب براہ راست قرآن کے موضوعات و متن کو موضوع بحث بنایا ہے۔ مختلف موضوعات پر قرآن کا نکتہ نظر کیا ہے، اس پر قابل ذکر تحقیقات کی گئی ہیں۔ اس کی نمایاں مثالیں دور حاضر کی دو کتابیں *The Blackwell Companion to the Qur'ān*, اور *The Cambridge Companion to the Qur'ān* ہیں جن میں موضوعات قرآن پر لکھا گیا ہے۔ایک اور اہم کتاب *The Great Themes of the Qur'ān* ہے جس میں قرآن کے بنیادی و مرکزی مضامین پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

اینڈریو رپن نے اپنے ایک مضمون میں اس امر کی طرف توجہ دلائی ہے کہ مغرب میں قرآن کے موضوعاتی مطالعہ (Thematic Study) پر کام کیا جارہا ہے جو علماے قرآنیات کی موضوعات قرآن میں دل چسپی کو ظاہر کرتا ہے۔[۵۰]

۴–مطالعۂ قرآن کے مناہج و طریقہ ہائے کار

دنیاے مغرب میں مطالعۂ قرآن / قرآنیات سے منسلک علما کو دو گروہوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ایک گروہ تو وہ ہے جس نے زمانۂ قدیم و عصر حاضر میں خالصتاً مناظرانہ اہداف کے ساتھ قرآن کا مطالعہ کیا۔

48– Stewart, "Notes", 237.

49– Fazlur Rahman, *Major Themes of the Qur'ān* (Chicago: The University of Chicago Press, 2009), xvi-xx.

50– Andrew Rippin, "Qur'ānic Studies" in *The Bloomsbury Companion to Islamic Studies*, ed. Clinton Bennett (London: Bloomsbury, 2013), 59-74.

اس کی ایک واضح مثال رابرٹ آف کیٹن، تھیوڈور بیلینڈر، مارٹن لوتھر وغیرہ ہیں جنھوں نے عیسائیت کے دفاع کے لیے قرآن پر بحث و تحقیق کی۔

علما کا ایک دوسرا گروہ وہ ہے جو سیکولر ہیومنسٹ[۵۱] کہلاتا ہے۔ اس جماعت کے بقول یہ خالصتاً علمی اہداف کے ساتھ قرآن کا مطالعہ کرتے ہیں۔ مزید برآں، یہ وہ گروہ ہے جو تاریخی متون (چاہے وہ مذہبی ہوں) کا مطالعہ موضوعاتی انداز سے کرنے کا دعوے دار ہے۔ سیکولر ہیومنسٹ علما کے نزدیک کسی بھی چیز کے مطالعے میں مذہبیت آڑے آنا علمی انداز کے خلاف ہے۔

مغربی علمی دنیا میں اس سے قبل تورات اور انجیل کا مطالعہ کرنے میں بھی بہت سے وہ طریقے استعمال کیے گئے جن کا تعلق سماجی علوم سے ہے۔ اسی طرح یہ بھی واضح ہے کہ مغربی علمی دنیا کے علما انجیل اور تورات کے تنقیدی مطالعے کے دوران اپنے مذہبی و روایتی اعتقاد کو اپنی راہ میں حائل نہیں ہونے دیتے اور یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ دوسرے تاریخی متون کی طرح انجیل اور تورات بھی نقد کی محتاج ہیں۔[۵۲]

یہ بات تورات اور انجیل کی حد تک تو درست ہے لیکن اصل مسئلہ تب سامنے آتا ہے جب وہ اپنے مناہج و طرق کو قرآنیات میں استعمال کرتے ہیں۔ اپنے منہج کی اسی غلطی کے باعث وہ مسلمان علما کی تنقید کا نشانہ بھی بن چکے ہیں۔[۵۳]

بہرحال مغربی علما قرآنیات میں جن مناہج کا استعمال کرتے ہیں، ان کا تعارف درج ذیل ہے:

i- تاریخی نقد (Historical Criticism)

یہ ایک ایسا طریقہ ہے جو اٹھارویں صدی میں انجیل اور تورات کے قدیم نسخوں پر بحث و نقد کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ یہ طریقہ مزید کئی شاخوں میں تقسیم ہو جاتا ہے جس میں چند اہم شاخیں Source

---

۵۱- یہ وہ لوگ ہیں جو ہیومنزم (Humanism) پر یقین رکھتے ہیں۔ ہیومنزم ایک ایسا فلسفہ ہے جو جدیدیت کی پیداوار ہے اور اس بات پر ایمان رکھتا ہے کہ انسان اس قابل ہے کہ وہ مذہب کی مدد لیے بغیر خود اپنے لیے قوانین و اصول وضع کر سکے۔ یہ فلسفہ مذہب کو شک کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور انسانی عقل کو ہر چیز سے بالاتر قرار دیتا ہے۔

52- W.Neil, "The Criticism and Theological Use of the Bible, 1700-19520," in *The Cambridge History of the Bible: The West from the Reformation to the Present Day*, ed. S.L. Greenslade (London: Cambridge University Press, 1963), 3: 238-293.

۵۳- مثال کے طور پر ڈاکٹر خلیفہ حسن کی کتاب ملاحظہ ہو جس میں وہ اس منہج کی قرآن پر تطبیق سے نالاں ہیں۔ **دراسة القرآن الكريم عندالمستشرقين في ضوء علم نقد الكتاب المقدس**۔ (غیر مطبوعہ)

Form Criticism, Criticism اور Textual Criticism ہیں۔ ان تمام طریقوں کو اس وقت استعمال میں لایا گیا جب سترھویں اور مابعد کی صدیوں میں انجیل کے قدیم نسخوں میں باہمی تضاد کی وجہ سے علما کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔[۵۴] وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سیکولر علما نے دوسرے ادیان کی کتب کے مطالعہ و بحث کے لیے بھی انھی طریقوں یا مناہج کا استعمال کیا۔

انیسویں صدی میں یہ طریقہ اپنی تمام ذیلی تقسیمات کے ساتھ قرآنیات میں بھی استعمال کیا گیا اور اس کے ذریعے مغربی دنیا میں قرآن کی اصل، مآخذ، جمع و تاریخ قرآن وغیرہ پر بحث کی گئی۔[۵۵]

اسی طریقے کو کچھ دوسرے علما نے سیرت اور حدیث کے مطالعے کے دوران بھی استعمال کیا۔ ان میں نمایاں نام الویس اشپرنگر (Aloys Sprenger)، گستاوویل اور ولیم میور کے ہیں جنھوں نے اپنی سیرت پر کتابوں میں بہ ظاہر انھی طریقوں اور مناہج کو استعمال کرتے ہوئے اعتراضات اٹھائے۔

اسی طرح مغربی دنیا میں جس عالم نے اس طریقہ کو قرآنیات پر سب سے زیادہ منطبق کیا وہ یولیوس فلہاوزن (Julius Wellhausen) ہے۔

ii- تقابلی مناہج (Comparative Methods)

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے کہ اس طریقے میں دو مختلف چیزوں کی صفات و ہیئات کا مقارنہ کیا جاتا ہے اور نکات اشتراک و افتراق کو اجاگر کیا جاتا ہے۔

قرآنیات سے تعلق رکھنے والے مغربی علما قرآنی موضوعات اور انجیل و تورات کے موضوعات میں سے کوئی موضوع منتخب کرنے کے بعد اس کا تقابلی مطالعہ کرتے ہیں۔ اب تک کے علمی کاموں میں کئی ایسے مقالہ جات منظر عام پر آچکے ہیں جن میں مقالہ نگار کسی بھی ایک قرآنی خیال کا انجیل یا تورات کے مضامین سے تقابل کرتے ہیں۔

عموماً یہ دیکھنے کو ملتا ہے کہ مقالہ نگار اسی نتیجہ کو لکھتے ہیں کہ چوں کہ قرآن اور انجیل کے موضوعات

54– Einar Thomassen, "Philology" in *The Routledge Handbook of Research Methods in the Study of Religion*, eds. Michael Stausberg and Steven Engler (New York: Routledge, 2011), 349.

۵۵– خلیفہ حسن، **دراسة القرآن الكريم**، ۱۰۔

میں ایک مماثلت ہے اس لیے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن کا مصدر یہود و نصاریٰ کی کتابیں ہی ہیں۔[۵۶]

iii–طرق سماجی علوم (Social Sciences Methods)

انیسویں اور مابعد کی صدیوں میں سماجی علوم کی افادیت کو دیکھتے ہوئے علماے شعبۂ دینیات نے بھی ان طریقوں کو استعمال کرنا شروع کر دیا۔ اس رجحان کا لازمی اثر یہ ہوا کہ یہ طریقے قرآنیات میں بھی استعمال ہونے لگے۔

اس کی ایک اہم مثال Social Sciences Case Study ہے جس میں کسی بھی ایک فرد یا واقعہ کے متعلق تفصیلی حقائق پیش کیے جاتے ہیں۔ اس طریقہ کو استعمال کرتے ہوئے اس وقت مغرب میں علما اور طالب علم چھوٹے پیمانہ پر مسلمان معاشروں کا باریک بینی سے مطالعہ کرتے ہیں تاکہ یہ جانچا جاسکے کہ اس خاص معاشرہ میں یا خاص علاقہ میں رہنے والے لوگوں کا تعلق قرآن سے کتنا گہرا ہے۔ مزید برآں یہ کہ کیا آج بھی مسلمان قرآن پاک کو اپنی زندگیوں میں وہی مقام دیتے ہیں جو دور رسالت یا دور صحابہ میں تھا۔[۵۷]

اسی طرح دور حاضر میں کچھ ایسے مقالہ جات بھی شائع ہوئے ہیں جن میں خالص عددی طریقے (Statistical Methods) استعمال کرتے ہوئے مسلم معاشروں کا قرآن سے تعلق واضح کرنے پر زور دیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں *Journal of Qur'ānic Studies* کا ذکر نہ کرنا خلاف عدل ہوگا جس کا ایک مکمل شمارہ صرف افریقہ میں قرآنی تعلیم و تفسیر جیسے موضوع کے لیے مختص کیا گیا تاکہ اس وقت افریقہ میں مسلمانوں

۵۶– زمانۂ حال میں ایسی بہت سی کتب منظر عام پر آئی ہیں جن میں مصنف یا مقالہ نگار کسی ایک قرآنی موضوع مثلاً خضر علیہ السلام یا مریم علیہا السلام کا انجیل و تورات کے مواد سے موازنہ کرتا ہے اور کڑیوں کو ملاتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ کرتا ہے کہ ان قرآنی افکار کی بنیاد دراصل تورات و انجیل کے نسخوں میں ہی تھی۔ مثال کے طور پر ملاحظہ ہو:

Kevin van Bladel, The Alexander Legend in the Qur'ān" in *The Qur'ān in Its Historical Context*, ed. Gabriel Said Reynolds (New York: Routledge, 2008), 175-203 ; Samir Khalil, "The Theological Christian Influence on the Qur'ān: A Reflection" in *The Qur'an in Its Historical Context,* ed. Gabriel Said Reynolds (New York: Routledge, 2008),141.

۵۷– مثال کے طور پر کچھ مقالہ جات درج ذیل ہیں:

Jarmo Houtsonen, "Traditional Qur'ānic Education in a Southern Moroccan Village," *International Journal of Middle East Studies*, 26:3 (1994): 489-500 ; Yahya Oyewole Imam, "The Tradition of Qur'ānic Learning in Borno," *Journal of Qur'ānic Studies* 6:2 (2004): 96-102.

اور قرآن کا تعلق واضح کیا جاسکے۔

مغرب میں تاریخ مطالعۂ قرآن، بنیادی موضوعات اور طرق و مناہج کا جائزہ لینے کے بعد یہ کہا جاسکتا ہے کہ مغربی علمی دنیا میں قرآنیات کسی جمود کا شکار نہیں۔ صرف اکیسویں صدی میں شائع ہونے والے کاموں اور کتب کا جائزہ لیا جائے تو یہ سمجھنا آسان ہے کہ مغربی علما اس وقت مختلف طرق و مناہج کو استعمال کرتے ہوئے قرآن پر تحقیق کر رہے ہیں۔ اس تمام بحث میں ایک قابل غور نکتہ یہ ہے کہ اگرچہ قدیم و جدید قرآنیات میں اسلوب و طرق کے حوالے سے ایک نمایاں فرق دیکھنے کو ملتا ہے مگر آج بھی مغربی علما کی قرآنیات سے متعلق بنیادی سوچ میں کوئی نمایاں تبدیلی نہیں آئی۔ اس حوالے سے بنیادی افکار مثلاً مصدر قرآن، تاریخ قرآن اور مصادر اسلام کے حوالے سے ان کی سوچ میں ایک اتحاد دیکھنے کو ملتا ہے۔ مثال کے طور پر جیمز کرٹزک (James Kritzek) بارھویں صدی میں قرآنیات کا ذکر کرتے ہوئے اپنی کتاب میں پیٹر کا ایک قول ذکر کرتا ہے:

> "Thus Muhammad", he says, "instructed by the best Jewish and heretical doctors produced his Koran. [58]
>
> (محمدؐ کو بہترین یہودی اور بدعقیدہ معلمین نے تعلیم دی جس کی وجہ سے وہ اپنا قرآن پیش کر سکے۔)

اس دعوے کی حیثیت مغربی علمی دنیا کی عمارت میں ایک بنیاد کی سی ہے، اس لیے معاصر کتب کے مطالعہ کے دوران بالعموم یہ فکر دیکھنے کو ملتی ہے۔ مثال کے طور پر دائرہ معارف قرآنی (*Encyclopeadia of the Quran*) کے مختلف مقالہ جات میں یہ بازگشت سننے کو ملتی ہے کہ قرآن میں موجود بہت سے موضوعات انجیل اور تورات سے مستعار لیے گئے ہیں مثلاً کلمہ شہادت کے متعلق لکھے ہوئے مقالہ نگار لکھتا ہے:

> This formula can be traced back indirectly— via a supposed Jewish-Arabic version of Aramaic translations to Deuteronomy6:4. [59]
>
> (اس جملے (Formula) کا سرا بالواسطہ طور پر ایک مزعومہ یہودی۔ عربی نسخے کے توسط سے کتاب تثنیہ شرعی (۶: ۴) کے ایک آرامی ترجمے میں تلاش کیا جاسکتا ہے۔)

58– James Kritzeck, *Peter the Venerable and Islam* (New Jersey: Princeton University Press, 1964), 132.

59– Matthias Radscheit, "Witnessing and Testifying," *Encyclopeadia of the Qur'ān*, ed. Jane Dammen McAuliffe (Leiden: Brill, 2006), 5: 500.

۵–مغرب، قرآنیات اور مسلم علما کا موقف

اہل علم سے یہ بات پوشیدہ نہ ہو گی کہ بالعموم مسلمان اور بالخصوص مسلمان علما مغربی حلقوں کی مطالعۂ قرآن کی تحریک کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھتے۔ اس کا سبب یہی ہے کہ قرآن پاک کا وجود مسلم معاشروں میں مرکزی حیثیت رکھتا ہے اور مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے جس کی حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے لی ہے۔

مسلمان علما کا غالب موقف یہی رہا ہے کہ مغربی قرآنیات کی جدوجہد تحریک استشراق کا ایک جزء ہے۔ مسلم معاشروں میں تحریک استشراق اور تحریک قرآنیات کی ناپسندیدگی کچھ ٹھوس وجوہات رکھتی ہے۔ مسلمان علما میں کچھ تو ایسے بھی ہیں جو بہت کھلے الفاظ میں مغرب میں قرآن سے متعلق کاموں کو رد کرتے ہیں اور اس کی وجوہات بھی بیان کرتے ہیں۔

فضل الرحمن اپنی کتاب *Major Themes of the Qur'ān* میں لکھتے ہیں کہ بہت سے مغربی علما قرآن کا مطالعہ اس لیے کرتے ہیں کہ وہ اس میں انسانی پہلو تلاش کر سکیں اور بہت کم ایسے ہیں جو حقیقت میں قرآن کے موضوع کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

بالعموم مسلمان علما کا موقف ہے کہ مغربی علمی دنیا میں مسلمانوں کے علمی ورثے کو حقیر سمجھا جاتا ہے اور مغربی علما اپنی تالیفات میں اپنے کاموں کو بیان کرنے کے لیے علمی (Objective)اور سائنسی (Scientific) جیسے الفاظ استعمال کرتے ہیں جب کہ مسلمان علما کے علمی کاموں کے حوالے سے شک کا اظہار کرتے ہیں۔[۶۰]

اس حقیقت کا اعتراف خود مغربی علمی دنیا سے تعلق رکھنے والے معتدل مزاج علما بھی کرتے ہیں کہ تمام مذاہب کے مطالعے میں مغربی علما سب سے زیادہ اسلام کے بارے میں غلط فہمی کا شکار رہے ہیں۔[۶۱]

حرفِ آخر

حقیقت یہ ہے کہ دور حاضر میں خود مغربی علمائے قرآنیات مسلمانوں کی قرآن کے لیے حساسیت اور مغربی قرآنیات کے لیے ناپسندیدگی سے واقف ہیں۔ قرآنیات کے مشہور عالم اینڈریو رپن نے اپنے ایک

60– Rahman, *Major Themes*, 6-7.

61– Annemarie Schimmel, *Islam: An Introduction* (New York: Colombia University Press, 2012), 1.

مضمون میں مسلمانوں کی اسی حساسیت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ مسلمانوں کی مغربی قرآنیات میں عدم دل چسپی و ناپسندیدگی کی وجہ ماضی میں ہونے والے کچھ ناخوشگوار واقعات ہیں۔ لیکن دور حاضر میں وہ مغربی مطالعۂ قرآن میں موضوعیت اور علمیت کا دعویٰ کرتے ہوئے مسلمانوں سے مطالبہ کرتا ہے وہ مغربی علمی دنیا سے متعلق اپنا رویہ تبدیل کر لیں۔

اینڈریو رپن کا ماضی سے متعلق دعویٰ واقعتاً درست ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ ماضی کے بڑے بڑے علمی کاموں میں اسلام و قرآن کی جو تصویر کشی کی گئی اس سے مسلمانوں کی خاصی دل آزاری ہوئی۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ یہ دعویٰ صرف ماضی سے تعلق نہیں رکھتا، زمانۂ حال میں بھی ایسے بہت سے علمی کام دیکھنے کو ملتے ہیں جن کے مؤلفین اپنے آپ کو تعصب سے آزاد نہیں کر پائے۔

درحقیقت اگر مغربی علماے قرآنیات موضوعیت و علمیت کا دعویٰ کرتے ہیں تو انھیں ان اسباب کو تلاش کر کے ان کا سدباب کرنا ہو گا جو مسلم دنیا میں مغربی قرآنیات کی ناپسندیدگی کی وجہ بنتے ہیں۔